مغرب کے خلاف

مسلمانوں کا غیظ و غضب!

برنارڈ لیوس / مسلم سجاد

برنارڈ لیوس (Bernard lewis) ایک انتہائی ممتاز اور ذی علم "ماہرِ اسلام" شمار ہوتے ہیں۔ درجنوں کتابوں اور مقالوں کے مصنف ہیں۔ بدقسمتی سے ان کی کوئی تحریر مشکل ہی سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر فشانی سے خالی ہوتی ہے۔ لیکن کیونکہ ان کا ہر لفظ مغرب میں وقعت رکھتا ہے اور اس کے ذہن کی تعمیر پر اثر انداز ہوتا ہے' اس لیے اسلام اور مغرب کے درمیان تہذیبی کشاکش کے اس دور میں ان کے نقطہ نظر سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ان کا ایک اہم مضمون ماہنامہ اٹلانٹک ستمبر ۱۹۹۰ (The Atlantic) کے شمارہ میں شائع ہوا' جس کی تلخیص ہمارے قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہو گی۔

امریکا نے گذشتہ دو صدیوں میں' مذہب اور ریاست کی علاحدگی کے تصور پر' جس کی بنیاد عیسائیت میں تلاش کی جا سکتی ہے' اپنی زندگی کی تعمیر کی ہے۔ لیکن اسلام نے مذہب اور سیاست کی یک جائی کا ایک مختلف تصور پیش کیا ہے۔ اسلام نے یقیناً انسانیت کو عظیم روایات سے مالا مال کیا ہے' لیکن ایسے دور بھی آئے جب اس نے اپنے پیروکاروں میں نفرت اور تشدد کے جذبات ابھارے[۱]۔ آج مسلمان دنیا کے کچھ حصوں میں اسی کیفیت سے گزر رہے ہیں اور بدقسمتی سے اس کا ہدف ہم مغرب کے لوگ ہیں۔

مسلم دنیا مغرب کو مسترد کرنے میں یک آواز نہیں ہے۔ بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے مغربی اقدار کو اپنا لیا ہے۔ لیکن دوسری طرف مغرب کے خلاف نفرت کی ایسی لہر ہے جس نے امریکیوں کو خوف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ نفرت مغرب کے کسی اقدام یا پالیسی سے بڑھ کر' مغربی تہذیب کے اصولوں اور تصورات سے ہے[۲]: یہ مجسم شر ہے۔ اس کو

ماننے والے خدا کے دشمن ہیں۔ قرآن کے مطابق بھی' خیر و شر کی کشمکش مستقل ہے۔ یہ کشمکش سیاسی اور فوجی دائروں تک وسعت رکھتی ہے۔ انسانیت دارالاسلام اور دارالکفر میں تقسیم ہے۔ اس وقت دنیا کا بیشتر حصہ دارالاسلام سے باہر ہے۔ مسلم ممالک میں بھی اسلامی قوانین رائج نہیں ہیں۔ اس لیے جہاد کا فرض گھر سے شروع ہوتا ہے اور باہر بھی جاری رہتا ہے۔

مسلم عیسائی کشمکش

اپنے دورِ عروج میں مسلمانوں نے اپنا اصل حریف عیسائیت کو سمجھا۳۔ اس لیے کہ یہ عالمی مذہب تھی' اس کی اپنی تہذیب تھی' اپنی سلطنت تھی جو ان سے چھوٹی سہی' لیکن امیدوں اور وعدوں میں آگے تھی۔ عیسائی دنیا اور یورپ ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔

ان دو حریف نظاموں میں ۱۴ سو سال سے کشمکش جاری ہے۔ تین صدی قبل' ۱۶۸۳ میں وی آنا کے محاصرہ میں ترکوں کی ناکامی کے بعد سے اسلام دفاع پر ہے۔ عیسائی اور یورپی تہذیب نے پوری دنیا کو بشمول مسلم دنیا' اپنے دائرہ اثر میں لے لیا ہے۔ پہلے مرحلہ میں دنیا پر مسلمانوں کا غلبہ ختم ہوا۔ دوسرے مرحلہ میں' وہ اپنے ممالک میں بھی اقتدار سے محروم ہو گئے' اور آخری تنکا یہ ثابت ہوا کہ وہ اپنے گھروں میں بھی حکمران نہ رہے۔ عورتوں نے آزادی اور بچوں نے بغاوت کا راستہ اختیار کر کے انھیں چیلنج کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے لیے برداشت سے باہر ہو گیا۔ مسلم اقدار اور عظمت کو بحال کرنے کے جذبہ سے مغرب کے خلاف بغاوت کا آغاز ہوا۔ غصے اور نفرت کی کیفیت پیدا ہوئی۔ یہ فطری بات تھی کہ یہ تحریک قدیم عقائد سے قوت حاصل کرلے۔

پھر حالات میں ایک بڑی تبدیلی آئی۔ امریکا نے مغرب کی قیادت سنبھال لی۔ وسیع اور وسعت پذیر مذہبی احیا کے قائدین نے اچانک ہی امریکا کو ہر برائی کا مظہر اور ہر اچھائی کا مخالف اور خصوصاً" مسلمانوں کا اور اسلام کا اصل دشمن قرار دینا شروع کر دیا۔

مسلم رویہ کی وجوہات

اس مغرب دشمن بلکہ امریکا دشمن رویہ کی وجوہات تیسرے عشرے میں جرمنی کے دانشوروں کی امریکا مخالف فکر کے مسلمانوں پر اثرات' اور اس کے بعد روس کی جانب سے امریکا کی سرمایہ داری کی مذمت میں بھی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ تیسری دنیا میں ایک مقبول رجحان یہ بھی تھا کہ مشرق سادہ اور معصوم ہے اور مغرب چالاک اور عیار ہے۔ لیکن یہ فلسفے مسلم دنیا کے مغرب دشمن رویے کی مکمل توجیہ نہیں کرتے۔

اس نفرت اور دشمنی کی اصل وجہ کچھ اور ہی ہے!

یقیناً مغربی حکومتوں کے ایسے اقدامات کم نہیں ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکایا۔ لیکن پالیسیاں ترک کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ فرانس الجیریا سے' برطانیہ مصر سے' مغرب کی علامت شاہ' ایران سے اور تیل کمپنیاں کنوؤں سے چلی گئیں' لیکن بنیاد پرستوں اور دوسرے انتہا پسندوں کا غیظ و غضب برقرار ہے' بڑھ رہا ہے' کم نہیں ہوتا۴۔

اسرائیل کے لیے امریکا کی حمایت بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ لیکن روس نے تو امریکا سے پہلے اسرائیل کی حمایت کی۔ اس کے باوجود مصر' شام' عراق سب کے روس سے دوستانہ تعلقات رہے۵۔

ایک تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امریکا ان ممالک کی ظالم اور بدعنوان حکومتوں کی حمایت کرتا ہے۔

لیکن یہ وجوہات کافی نہیں۔ آخر ایسی گہری بات کیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہر اختلاف' مسئلہ بن جاتا ہے اور ہر مسئلہ لاینحل ہو جاتا ہے۔

مغرب سے نفرت کیوں

امریکا کے خلاف نفرت مسلم دنیا تک محدود نہیں ہے۔ تیسری دنیا میں موجود اس نفرت کی پہنچ خود امریکا تک ہے جس کا اظہار یہاں کیا جاتا رہتا ہے۔ ہم پر تین الزام ہیں: جنسی امتیاز و تفریق' نسل پرستی اور استعماریت۔ ہم ان الزامات پر اعترافِ جرم کرتے ہیں۔ امریکی اور مغربی ہونے کی حیثیت سے نہیں' بلکہ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے۔ لیکن ان گناہوں کے گناہگار صرف ہم ہی نہیں ہیں اور بعض کے مقابلہ میں بدترین بھی نہیں ہیں۔

خواتین سے سلوک عیسائی دنیا میں ظالمانہ اور غیر مساویانہ رہا ہے لیکن اپنی بدترین شکل میں بھی یہ کثرتِ ازدواج اور حرم کی روایت سے بہتر تھا۔

غلامی کو آج بھی جائز قرار دینے والے موجود ہیں لیکن یہ مغرب تھا جس نے سب سے پہلے اسے غیر قانونی قرار دیا۔

پھر' کیا استعماریت ہمارا قصور ہے؟ لیکن کیا عربوں' منگولوں اور عثمانیوں کے مقابلے میں ہمارا اخلاقی کردار زیادہ خراب تھا؟

عورت کی تحقیر' نسل پرستی اور استعماریت اختیار کرنے میں ہم اس راہِ عمل پر چل رہے تھے جس پر ساری انسانیت چلی ہے۔ ہم ممتاز ہیں تو اس لحاظ سے کہ ہم نے ان خرابیوں کو محسوس کیا اور

دور کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

سب سے زیادہ ہم پر استعماریت کا الزام ہے۔ مگر اس میں تو روس ہمارا شریک ہے۔ اور امریکا پر تو فلپائن کے ایک علاقے کے علاوہ کسی مسلمان ملک پر قبضہ کرنے کا الزام نہیں ہے[۶]۔

بنیاد پرستوں کا مغرب پر ایک بڑا الزام اس کا سیکولرزم ہے۔ مگر مسلم علاقے تو ابھی تک روس کے مقبوضہ تھے۔ لیکن روس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں ہوتا' شاید اس لیے کہ روس کا سیکولرزم خطرہ کا باعث نہیں ہے۔

مغرب کی ایک اور برائی پر کشش ساز و سامان سے بھرپور زندگی (consumerism) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کے اثر سے آنے والے اجتماعی اور معاشی تصورات نے اور سیکولرزم اور consumerism نے مسلم معاشرہ میں واضح تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور مغربی سرمایہ داری اور جمہوریت نے روایتی اسلامی فکر اور طریقِ زندگی کا ایک پر کشش متبادل پیش کر دیا ہے۔ اس لیے بنیاد پرستوں کے رہنما مغربی تہذیب کو اپنے طریقِ زندگی کے لیے سب سے بڑا چیلنج سمجھنے میں غلطی پر نہیں ہیں۔

تہذیبوں کا تصادم

مغرب میں چرچ اور ریاست کے دو علاحدہ اداروں کی روایت کی بنیادیں عیسائی تعلیمات اور عملی تجربے میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اسلام میں اس سیکولرزم کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام مختلف عقائد رکھنے والوں کو نظری اور عملی کسی طرح بھی برابر کا مقام نہیں دیتا[۷]۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی حکومتوں میں دوسرے مذاہب کے ماننے والے رواداری کی ایسی فضا میں رہے جس کی کوئی مثال عیسائی دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

مغربی تہذیب کے لیے مسلمانوں کا اوّلین ردِعمل تحسین اور تقلید کا تھا' لیکن موجودہ دور میں مذمت اور مخالفت نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ اس کی ایک وجہ ایک قابلِ فخر غالب تہذیب کے وارث کی حیثیت سے ان کا اپنی تحقیر کا یہ احساس ہے کہ ان پر ان سے کمتر لوگوں نے غلبہ حاصل کر لیا ہے[۸]۔ تاہم مغربی اثرات کے تحت مسلم معاشروں میں ایک مغرب زدہ طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنے لباس اور رہن سہن میں عوام سے جدا ہے۔ ان کی حاکمانہ حیثیت کی وجہ سے مسلم معاشروں میں مغربی تصورات کو اختیار کیا گیا' لیکن یہ تجربے خوشگوار نہیں رہے۔ مغربی طرز کے سیاسی ادارے ظلم و استبداد' مغربی طرز کے معاشی ادارے غربت' اور مغربی طرز کی فوجیں ان کے لیے شکست لے کر آئیں۔ تعجب نہ ہونا چاہیے اگر ان حالات میں ان کی سنی گئی جو کہتے تھے کہ پرانے اسلامی طریقے ہی

بہترین تھے۔ نجات کی راہ یہی ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ کی طرف پلٹ آئیں۔

بنیاد پرستی کی جدوجہد دو دشمنوں کے خلاف ہے: سیکولرزم اور ماڈرنزم۔ سیکولرزم کے خلاف لڑائی واضح ہے۔ اس پر وسیع لٹریچر موجود ہے۔ لیکن ماڈرنزم کے خلاف لڑائی واضح نہیں ہے۔ یہ اس جدید رجحان کے خلاف ہے جس نے گذشتہ صدی میں سیاسی' معاشی اور تہذیبی اداروں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان عوام ان قوتوں کے خلاف غیظ و غضب محسوس کرتے ہیں جنھوں نے ان کی روایات کی تحقیر کی ہے' انھیں عقائد سے محروم کیا ہے اور ان کی روزی بھی چھین لی ہے۔ بنیاد پرستی نے اس غیظ و غضب کو مقصد اور سمت دی ہے۔

اسلام کے اندر کوئی ایسی بات ہے کہ ایک عام دیہاتی بھی دوسروں کے ساتھ اخلاق اور شائستگی سے پیش آتا ہے لیکن جب جذبات میں ابال ہو تو اغوا اور قتل بھی کیے جاتے ہیں ۹۔ اور رسول اللہ کی زندگی سے اس کے لیے مثال بھی حاصل کرلی جاتی ہے۔

مغرب کو ملزم سمجھنے میں مسلمان عوام کا وجدان غلطی پر نہیں ہے۔ یورپی تہذیب کے وارث اور راہنما کی حیثیت سے امریکا غیظ و غضب کا نشانہ بن گیا ہے۔ ۱۹۷۹ میں خانہ کعبہ پر قبضہ اور پھر سلمان رشدی کی کتاب کی اشاعت کے مواقع پر اسلام آباد میں عوام کے ہجوم نے سارا غصہ امریکا پر اتارا حالانکہ دونوں واقعات میں امریکا کا کوئی قصور نہ تھا۔

دراصل ہم ایک ایسی تحریک کا سامنا کر رہے ہیں جو حکومتوں' مسائل اور پالیسیوں سے ماورا ہے۔ یہ تہذیبوں کا تصادم ہے۔ یہ ہمارے یہودی عیسائی ورثہ' ہمارے سیکولر حال اور ان دونوں کی ساری دنیا میں اشاعت کے خلاف ردِّعمل ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مغرب سے درآمد تصورات کو بالکل مسترد نہیں کیا گیا ہے۔ کچھ تو انتہا پسند بنیاد پرستوں نے بھی قبول کرلیے ہیں۔ ان میں سے ایک سیاسی آزادی ہے۔ اس کے ساتھ انتخابات اور دستوری حکومت کا تصور ہے۔ کچھ ثقافتی علامات بھی موجود ہیں مثلاً مردوں کا لباس خصوصاً" فوج میں۔ اسی طرح کوکا کولا' ٹینک' ٹی وی ایسے مظاہر ہیں جن کی جلو میں تصورات بھی مضبوط ہوئے ہیں۔

مسلم دنیا میں صرف بنیاد پرستی ہی اسلامی روایت نہیں ہے۔ دوسری روایات میں زیادہ رواداری اور گنجائش ہے۔ ہم امید کرسکتے ہیں کہ وقت گزرنے پر یہ غالب آئیں گی۔ لیکن اس سے پہلے خود ان کے درمیان شدید جدوجہد ہو گی جس میں ہم مغرب کے لوگ شاید کچھ نہ کرسکیں۔ یہ مسائل مسلمانوں کو خود حل کرنا چاہئیں۔ یہ خطرہ ضرور ہے کہ مذہبی جنگوں کا سلسلہ نہ شروع ہو جائے۔

آخری بات یہ ہے کہ ہمیں دوسرے تہذیبی اور سیاسی کلچروں کا ان کی تاریخ' کارناموں اور لٹریچر

کے مطالعہ سے بہتر فہم حاصل کرنا چاہیے۔ امید کرنا چاہیے کہ وہ بھی ہمارا بہتر فہم حاصل کریں گے اور مذہب اور سیاست کے ہمارے تصور کو اختیار چاہے نہ کریں' مگر اس کا احترام کریں گے۔

۱۔ یہ عجیب بات ہے کہ عیسائیوں' یہودیوں اور بودھوں وغیرہ میں تو نفرت و تشدد کے جذبات کے لیے ان کے مذاہب کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا' لیکن مسلمانوں کے معاملہ میں الزام اسلام کے سر ڈالا جاتا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے اصولوں اور تصورات سے یقیناً شدید اختلاف ہے' لیکن مغرب کے خلاف ان کے جذبات کی شدت کی وجہ یہ اختلاف نہیں' بلکہ مسلمانوں کے خلاف مغرب کی استعماری طاقتوں کے عسکری' سیاسی' معاشی' اور تہذیبی اقدامات ہی ہیں۔

۳۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایک ہزار سال تک عیسائی' مسلمانوں کو اپنا اصل دشمن سمجھتے رہے' اور ان کے خلاف نفرت اور معرکہ آرائی میں مبتلا رہے۔ مسلمانوں نے تو ہر جگہ عیسائیوں کو پوری آزادی اور اکرام کے ساتھ رکھا۔

۴۔ ان میں سے کوئی بھی بخوشی نہیں گیا۔ الجیریا سے جس خون ریزی کے بعد فرانس گیا' وہ ایک مثال ہے اس بات کی کہ یہ جانا کس طرح ہوا۔ پھر غیظ و غضب کم کیوں کر ہوتا۔

۵۔ روس نے آغاز میں اسرائیل کو تسلیم ضرور کیا۔ لیکن جلد ہی بات سرد مہری اور پھر سفارتی تعلقات کے انقطاع تک پہنچ گئی۔ اس کے برعکس امریکا تو دل و جان اور دام و درہم سے آج تک اسرائیل کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ دونوں کو مساوی رکھنا تاریخی بددیانتی کی ایک بھونڈی مثال ہے۔

۶۔ براہ راست سیاسی قبضہ تو نہیں' لیکن معاشی تسلط اور بالواسطہ سیاسی غلبہ کون نہیں دیکھ سکتا۔

۷۔ اتنا برابر بھی نہیں جتنا یورپ میں برنارڈ لیوس کے ہم مذہب یہودیوں کو دیا گیا!

۸۔ مسلمانوں کا اوّلین ردِعمل تو مغربی استعمار کے خلاف مسلح جدوجہد کا تھا' انڈونیشیا میں' ہندوستان میں جنگِ آزادی' لبنان اور شام میں فرانس کے خلاف' سوڈان میں مہدی کا' مراکش میں عبدالکریم ریفی کا جہاد اس کی مثالیں ہیں۔ رخصت ہو جانے کے باوجود بالا دستی سے' اور عسکری بے بسی سے نفرت و مزمت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر آزاد مسلمان ملکوں پر حکمرانوں کے جبر و استبداد کی پشت پناہی اور مسلمان عوام میں اس لہر کی مخالفت کہ وہ اپنی زندگی کی تعمیر اپنے دین و ایمان کے مطابق کریں۔

۹۔ مسلمان تو ظلم و ستم کا شکار ہیں اور طاقت سے محروم' اس لیے ایسی چند کارروائیاں ہو گئی ہیں۔ مگر عدم تشدد کے علمبردار بودھوں اور ہندوؤں اور عیسائی سربوں کے لیے کیا جواز ہے؟